ہم مر جائیں گے، مگر تم خاموش رہنا!

یہ کہانی نہیں، خون رنگ حقیقت ہے۔ اگر پڑھ کر آنکھیں اشکبار ہو جائیں تو معاف کیجیے گا۔

عابد محمود عزام

"ہم مر جائیں گے، مگر تم خاموش رہنا!"

تحریر: عابد محمود عزام

غزہ کی ایک گلی، جہاں بچے کھیل رہے ہیں۔ فضا میں قہقہے گونج رہے ہیں۔ 14 سالہ ریان اپنے چھوٹے بھائی یوسف کے ساتھ گیند اچھال رہا ہے۔ ان کی ماں امّ عمر گھر کے دروازے پر کھڑی مسکرا رہی ہیں، جبکہ والد ابو عمر گھر کے صحن میں بیٹھے روٹی کے ساتھ زیتون کھا رہے ہیں۔ گھر کے اندر 18 سالہ فاطمہ اپنی چھوٹی بہن عائشہ کے بال سنوار رہی ہے۔ یہ ایک عام دن ہے، مگر یہاں کے باسی جانتے ہیں کہ غزہ میں سکون زیادہ دیر تک نہیں رہتا۔

ریان گیند کو زور سے اچھالتا ہے، یوسف بھاگ کر پکڑنے کی کوشش کرتا ہے، مگر گیند سڑک کے اُس پار جا گرتی ہے۔ جیسے ہی یوسف اسے اٹھانے بھاگتا ہے، فضا میں ایک زوردار دھماکہ گونجتا ہے۔ سب کچھ لمحوں میں بدل جاتا ہے۔ مٹی اور دھویں کے بادل ہر طرف پھیل جاتے ہیں۔

امّ عمر چیخ کر یوسف کو پکارتی ہیں، مگر اس کی آواز کہیں دب جاتی ہے۔ ابو عمر زخمی حالت میں دیوار کے سہارے کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ریان کی آنکھوں میں گرد و غبار بھر جاتا ہے، وہ کچھ دیکھ نہیں پاتا۔ فاطمہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو گلے لگائے، کانپ رہی ہے۔ جب دھول چھٹتی ہے تو وہ منظر سامنے آتا ہے جو ریان کی زندگی کو ہمیشہ کے لیے بدل دیتا ہے۔ یوسف خون میں لت پت زمین پر پڑا ہے۔

ابو عمر زخمی بیٹے کو گود میں اٹھاتے ہیں، مگر اسپتال لے جانے کی کوئی امید نہیں۔ غزہ کے اسپتالوں میں پہلے ہی جگہ نہیں، دوائیں نہیں، بجلی نہیں۔ وہ بیٹے کو اپنے کندھے پر رکھ کر دوڑنے لگتے ہیں، مگر راستے میں دوسرا دھماکہ ہوتا ہے اور... ابو عمر شہید ہو چکے ہیں۔

ریان، جس نے چند لمحے پہلے تک گیند اچھالنے کی بےفکری میں وقت گزارا تھا، اب زندگی کے سب سے بڑے صدمے سے دوچار ہے۔

امّ عمر اپنے شوہر کی لاش دیکھ کر بے ہوش نہیں ہوتیں، چیختی نہیں، ماتم نہیں کرتیں۔ وہ اپنی زخمی اولاد کو سینے سے لگاتی ہیں اور آسمان کی طرف دیکھ کر صرف اتنا کہتی ہیں: "یا اللہ! ہمیں ثابت قدم رکھ۔"

دھماکوں کے بعد غزہ کی وہ گلی، جہاں چند لمحے پہلے بچوں کے قہقہے گونج رہے تھے، اب ملبے میں تبدیل ہو چکی تھی۔ ہر طرف دھواں، خون اور چیخ و پکار تھی۔ امّ عمر نے اپنے شہید شوہر ابوعمر کا چہرہ آخری بار چوما، یوسف کی خون میں لت پت لاش کو سینے سے لگایا، مگر آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہ ٹپکا۔

"ہم یہاں روئیں گے نہیں، کیونکہ ہمارے آنسو ہمارے دشمن کو خوش کریں گے!" امّ عمر نے بیٹی فاطمہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا، جو اپنے والد اور بھائی کی لاشوں کے پاس بیٹھ کر کانپ رہی تھی۔

فضا میں اب بھی ڈرون کی گڑگڑاہٹ تھی۔ انہیں پتہ تھا کہ قابض افواج نے صرف ایک دھماکہ نہیں کرنا، ان کا مقصد پورے علاقے کو ملبے میں بدل دینا ہے۔ چنانچہ وہ باقی لاشیں چھوڑ کر ملبے کے ایک کنارے میں دبک گئے۔ رات ان پر بھوکی بھی آئی، پیاسی بھی اور زخموں سے چور بھی۔

اگلی صبح جب سورج نکلا تو وہ اپنے گھر کی طرف بڑھے۔ مگر اب وہاں کچھ نہیں تھا۔ وہی گھر جہاں کل تک خوشبوئیں تھیں، آج ملبہ اور راکھ تھی۔ ان کے پڑوسی بھی شہید ہو چکے تھے۔ صرف چند زخمی بچے اور بوڑھے رہ گئے تھے۔

ریان اپنی چھوٹی بہن عائشہ کو ہاتھ سے پکڑ کر آگے بڑھا، مگر قدم قدم پر لاشیں تھیں۔ ہر طرف چیختی مائیں، اپنے جگر گوشوں کی لاشیں اٹھانے کی کوشش کرتی تھیں۔ مگر انہیں دفن کرنے کے لیے نہ جگہ تھی، نہ کوئی مددگار۔

امّ عمر نے ایک فیصلہ کیا۔ "ہم یہاں رک نہیں سکتے۔ نہ کھانے کو کچھ ہے، نہ رہنے کو۔ ہمیں شہر کے کسی دوسرے حصے میں جانا ہوگا۔"

وہ بچے ہوئے چند لوگوں کے ساتھ شمالی غزہ کی طرف چل پڑے، جہاں کچھ ہسپتال اب بھی کام کر رہے تھے۔ مگر راستہ بھی محفوظ نہ تھا۔

راستے میں انہیں کچھ فلسطینی مجاہد ملے، جو قابض افواج کے خلاف لڑ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر گرد تھی، آنکھوں میں عزم تھا۔ ان میں سے ایک، عمر، ابوعمر کا قریبی دوست تھا۔

"امّ عمر! آپ کہاں جا رہی ہیں؟" عمر نے حیرانی سے پوچھا۔" جہاں ہماری قسمت لے جائے، عمر! ہمارے پاس اب کچھ بھی نہیں بچا!" امّ عمر نے جواب دیا۔

عمر نے جذباتی ہو کر کہا، "ابوعمر ہمیشہ کہتے تھے کہ ہم اپنی زمین نہیں چھوڑیں گے۔ میں یہ وعدہ پورا کروں گا!"

ریان نے عمر کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اسے احساس ہوا کہ اس کا باپ بھی یہی کہتا تھا۔

ابھی وہ زیادہ دور نہ گئے تھے کہ ایک بار پھر فضائی حملہ ہوا۔ ایک میزائل ان کے قریب گرا اور مٹی کا طوفان اٹھا۔

جب گرد بیٹھی تو ریان نے دیکھا کہ اس کی بہن فاطمہ زخمی پڑی ہے، مگر سانسیں چل رہی ہیں۔

مگر عمر... وہ شہید ہو چکا تھا۔

ریان کے اندر کچھ ٹوٹنے لگا۔

"یہ کب ختم ہوگا؟ یہ کب ختم ہوگا؟!" وہ چیخا، مگر جواب میں صرف تباہی تھی۔

چند دن بعد، وہ کسی نہ کسی طرح ایک ہسپتال کے قریب پہنچ گئے، مگر ہسپتال پہلے ہی بمباری سے تباہ ہو چکا تھا۔ زخمیوں کے لیے نہ ڈاکٹر تھا، نہ دوا۔

بھوک اتنی شدید ہو چکی تھی کہ بچے اب روتے بھی نہیں تھے۔ وہ بس خاموشی سے ماں کے چہرے کو دیکھ رہے تھے، جیسے کہہ رہے ہوں: "کیا ہمارے لیے کچھ ہے؟"

"ہم زندہ رہنے کے لیے نہیں لڑ رہے، ہم عزت سے مرنے کے لیے لڑ رہے ہیں!" امّ عمر نے زخمی فاطمہ کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

ریان نے ماں کے ہاتھ پکڑے اور کہا، "اگر یہ سب ختم ہونے والا نہیں تو میں بھی لڑوں گا، جیسے بابا لڑتے تھے!"

ریان، عائشہ، امّ عمر اور شدید زخمی فاطمہ ایک ایسے شہر میں بے یار و مددگار بیٹھے تھے، جو اب قبرستان بن چکا تھا۔ ہسپتال کی عمارت زمین بوس ہو چکی تھی۔ ہر طرف دھواں اور خون کے دھبے تھے۔ چند بچے خاموشی سے اپنی ماؤں کے بے جان جسموں کے پاس بیٹھے تھے۔

ریان کی آنکھوں میں آنسو خشک ہو چکے تھے۔ وہ چودہ سال کا ایک عام سا لڑکا تھا، مگر پچھلے چند دنوں میں وہ ایک ایسا انسان بن چکا تھا جس نے سب کچھ کھو دیا تھا۔

"امی، ہم کب تک بھاگتے رہیں گے؟" ریان نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

امّ عمر نے ریان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا، "جب تک اللہ چاہے گا، بیٹا!"

ریان نے اپنے ہاتھ کی مٹھی کو سختی سے بند کیا۔ "بابا کہتے تھے کہ ہم اپنی زمین پر غلام بن کر نہیں رہ سکتے۔ اگر میں مرنے ہی والا ہوں تو کیوں نہ لڑ کر مروں؟"

امّ عمر نے بیٹے کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہاں خوف نہیں تھا، صرف انتقام کی چمک تھی۔

"تم ابھی بہت چھوٹے ہو، ریان!" امّ عمر نے کہا۔

"لیکن دشمن یہ نہیں دیکھتا کہ کون چھوٹا ہے، کون بڑا!" ریان نے جواب دیا۔

یہ وہ لمحہ تھا جب اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اپنے بابا، یوسف اور عمر کی قربانی رائیگاں نہیں جانے دے گا۔

اگلی رات سرد تھی۔ ریان اپنی زخمی بہن فاطمہ کے قریب بیٹھا تھا۔ فاطمہ کی سانسیں دھیمی ہو چکی تھیں۔

"ریان، اگر میں چلی گئی تو امی کا خیال رکھنا!" فاطمہ نے ہلکی آواز میں کہا۔

"تم کہیں نہیں جا رہیں، میں تمہیں بچاؤں گا!" ریان نے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا۔

فاطمہ نے مسکرا کر کہا، "یہ زمین ہمارا سب کچھ ہے۔ اگر ہم نہ رہے تو بھی یہ زمین باقی رہے گی۔ بس... دعا کرو کہ میں شہید ہو کر جاؤں!"

اگلی صبح، ریان کی آنکھ کھلی تو فاطمہ خاموشی سے لیٹی تھی، اس کے چہرے پر سکون تھا، مگر وہ ہمیشہ کے لیے جا چکی تھی۔

ریان نے اپنی بہن کے چہرے کو چوما، مگر کوئی چیخ، کوئی آہ نہ نکالی۔

"اللہ اکبر!" اس نے سرگوشی کی اور بہن کو وہیں زمین میں دفن کرنے لگا۔

ریان نے اپنی ماں اور بہن کو ایک محفوظ جگہ بھیجنے کا بندوبست کیا اور خود غزہ کے جنگجوؤں کے پاس جا پہنچا۔

"مجھے بھی لڑنا ہے!" ریان نے کہا۔

کمانڈر نے اسے غور سے دیکھا اور کہا،"جنگ صرف بندوق اٹھانے کا نام نہیں، ریان! تمہاری بہادری تمہیں زندہ رکھے گی، مگر جنگ میں عقل بھی ضروری ہے!"

ریان نے سختی سے کہا،"میرے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں بچا، مگر میں دشمن کو یہ نہیں جیتنے دوں گا کہ وہ ہمیں یوں روند کر چلا جائے!"

کمانڈر نے سر ہلایا اور کہا،" پھر آؤ، تمہیں سکھاتے ہیں کہ ظالموں کے خلاف کیسے کھڑا ہوا جاتا ہے!"

اگلی صبح، ریان نے پہلا قدم اپنی جنگ کی طرف بڑھایا۔

اس کے کندھے پر اب ایک چھوٹا ہتھیار تھا، مگر سب سے بڑا ہتھیار اس کا ایمان تھا۔ وہ ایک عام فلسطینی بچہ تھا، جس کے خوابوں کو دنیا نے روند ڈالا تھا، مگر وہ خود ملبے سے اٹھ کر دشمن کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔

ریان کے ہاتھوں میں بندوق تھی، مگر اس کے دل میں اپنے والد، بھائی اور بہن کی یادوں کا بوجھ تھا۔ کمانڈر نے اسے دیکھ کر کہا،" ریان، یہ ہتھیار وزنی ہے، مگر تمہاری ہمت اس سے زیادہ مضبوط ہونی چاہیے!"

ریان نے مضبوط لہجے میں جواب دیا،" میں تیار ہوں!"

"اچھی بات ہے، مگر یاد رکھو، ہم صرف لڑنے کے لیے نہیں لڑتے، ہم اس زمین کو آزاد کرانے کے لیے لڑتے ہیں!" کمانڈر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

چند دن کی تربیت کے بعد، ریان پہلی بار ایک کارروائی میں شامل کیا گیا۔ ان کا ہدف قابض فوج کا ایک چیک پوسٹ تھا، جہاں سے آئے دن معصوم شہریوں کو نشانہ بنایا جا رہا تھا۔

ریان اور اس کے ساتھی رات کے اندھیرے میں دبے پاؤں آگے بڑھے۔ ہر طرف خاموشی تھی، مگر ریان کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"یہ تمہارا پہلا امتحان ہے، ریان!" کمانڈر نے سرگوشی کی۔

ریان نے بندوق کو مضبوطی سے تھاما۔ جیسے ہی انہیں اشارہ ملا، وہ ایک دیوار کے پیچھے سے نکلا اور اپنی پہلی گولی چلائی۔

ایک قابض فوجی زمین پر گر پڑا۔

یہ پہلا موقع تھا جب ریان نے دشمن پر وار کیا تھا۔ وہ خوف زدہ نہیں تھا، بلکہ اس کے اندر ایک نیا حوصلہ جاگ چکا تھا۔

جونہی پہلا حملہ ہوا، قابض فوج نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ گولیاں چاروں طرف برسنے لگیں۔ ریان اور اس کے ساتھی زمین پر لیٹ گئے اور جوابی فائرنگ کرتے رہے۔

"پیچھے ہٹو!" کمانڈر نے حکم دیا۔

ریان نے فائرنگ کرتے ہوئے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ مگر اچانک، ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ زمین لرز اٹھی۔ دھوئیں کے بادل میں، ریان نے دیکھا کہ اس کے ایک ساتھی کے جسم کے ٹکڑے ہو چکے تھے۔

"یہ جنگ ہے، ریان! یہاں آنسو بہانے کا وقت نہیں!" کمانڈر نے اسے جھنجھوڑا۔

ریان نے جلدی سے خود کو سنبھالا اور باقی ساتھیوں کے ساتھ واپس محفوظ مقام کی طرف بڑھا۔

ریان تو محاذ پر تھا، مگر پیچھے امّ عمر اور عائشہ کے لیے حالات مزید سخت ہوتے جا رہے تھے۔

پناہ گزینوں کے کیمپ میں کھانے کی قلت تھی۔ کئی دن سے بھوک کا سامنا تھا۔ عائشہ کی حالت کمزوری کے باعث بگڑنے لگی تھی۔

"امی، مجھے بہت بھوک لگی ہے!" عائشہ نے نحیف آواز میں کہا۔

امّ عمر نے اپنا دوپٹہ چہرے پر رکھا تاکہ بیٹی اسے روتے نہ دیکھے۔

"اللہ ہماری مدد کرے گا، میری بچی!" انہوں نے پیار سے جواب دیا۔

مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ خود بھی تین دن سے بھوکی تھیں۔

اسی دوران، قابض فوج نے اعلان کیا کہ جو لوگ ہتھیار ڈال دیں گے، انہیں محفوظ راستہ دیا جائے گا۔

کئی تھکے ہارے لوگوں نے ان پر بھروسہ کیا اور نکلنے کی کوشش کی، مگر جیسے ہی وہ قافلے میں شامل ہوئے، دشمن نے دھوکہ دیا اور ان پر بم برسا دیے۔

"یہ کیسے انسان ہیں، جو جھوٹ بول کر لوگوں کو مار دیتے ہیں؟" امّ عمر نے صدمے سے کہا۔

وہ جان چکی تھیں کہ قابض فوج کا ہر وعدہ دھوکہ ہے۔

ریان کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو اس کا غصہ مزید بڑھ گیا۔
"یہ ظالم کبھی نہیں رکیں گے!" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
"تو پھر ہم بھی نہیں رکیں گے!" کمانڈر نے مسکرا کر جواب دیا۔
ریان کی آنکھوں میں اب صرف ایک چیز تھی: انتقام!
غزہ پر قابض فوج کے حملے بڑھتے جا رہے تھے۔ ہر روز درجنوں گھروں کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا جاتا، ہر گلی میں خون بہتا، ہر چہرے پر خوف تھا۔ مگر ریان کے دل میں خوف نہیں، صرف غصہ تھا۔
"کب تک یہ ظلم سہتے رہیں گے؟" اس نے کمانڈر سے سوال کیا۔
"جب تک ہم خود اس ظلم کو ختم نہ کر دیں!" کمانڈر نے آنکھوں میں عزم لیے جواب دیا۔
ریان جانتا تھا کہ وہ جنگ لڑ رہا ہے، مگر اصل جنگ اس کے اندر جاری تھی۔ وہ معصوم ریان جو اپنے والد کے ساتھ کھیتوں میں کھیلتا تھا، اب ختم ہو چکا تھا۔ اس کی جگہ ایک نیا ریان آ چکا تھا، جو بندوق اٹھانا سیکھ چکا تھا۔
دوسری طرف، امّ عمر اور عائشہ کا حال مزید خراب ہو چکا تھا۔ کیمپ میں کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ ایک وقت کا کھانا مشکل سے ملتا اور وہ بھی اتنا کم کہ پیٹ میں جا کر بھوک اور بڑھ جاتی۔
عائشہ کی کمزوری بڑھ رہی تھی۔ اس کی سانسیں دھیمی ہو چکی تھیں۔
"امی، کیا ہمیں بھی شہید ہو جانا چاہیے؟" عائشہ نے معصومیت سے پوچھا۔
امّ عمر کے دل پر جیسے چاقو چل گیا۔ "نہیں، بیٹا! ہمیں زندہ رہنا ہے، تاکہ ریان کے لوٹنے تک اس کا انتظار کر سکیں!" امّ عمر نے اپنی بیٹی کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔
ایک رات، جب غزہ کے آسمان پر دشمن کے ڈرون گھوم رہے تھے، ریان اور اس کے ساتھی زیرِ زمین ایک سرنگ میں بیٹھے تھے۔ "یہ ہماری سب سے بڑی کارروائی ہوگی!" کمانڈر نے کہا۔
ان کا ہدف قابض فوج کا ایک اسلحہ ڈپو تھا۔ اگر وہ اسے تباہ کر دیتے تو دشمن کی سپلائی لائن کمزور ہو جاتی۔
ریان کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ یہ موقع تھا، اپنے والد، بھائی اور بہن کے خون کا بدلہ لینے کا۔
سب نے رات کے اندھیرے میں پیش قدمی کی۔ ان کے پاس چند ہتھیار، کچھ دستی بم اور بے خوف دل تھے۔

چیک پوسٹ پر کھڑے دشمن کے سپاہیوں کو نشانہ بنایا گیا۔ اچانک دھماکوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ ریان نے پہلی بار ایک دشمن گاڑی پر گرنیڈ پھینکا۔ دھماکے کی آواز کے ساتھ وہ جل کر راکھ ہوگئی۔"اللہ اکبر!" وہ چیخا۔ دشمن گھبرا گیا۔ ہر طرف اندھیرے میں چیخ و پکار تھی۔ مگر اسی لمحے ایک دھماکہ ہوا اور ریان کے قریب کھڑا ایک ساتھی زمین پر گر گیا۔ ریان نے دیکھا کہ اس کے ساتھی کی آنکھیں کھلی تھیں، مگر وہ زندہ نہیں تھا۔

"یہی تو وہ قیمت ہے جو ہم نے چکانی ہے!" اس نے خود سے کہا اور دوبارہ دشمن پر گولیوں کی بارش کر دی۔

ریان کی کارروائی کامیاب رہی، مگر دوسری طرف دشمن نے بدلہ لینے کے لیے شہری علاقوں پر حملے شروع کر دیے۔ امّ عمر اور عائشہ کے کیمپ پر بھی بمباری کی گئی۔

ہر طرف آگ اور چیخیں تھیں۔ امّ عمر نے عائشہ کا ہاتھ پکڑا اور ایک تباہ شدہ عمارت کے نیچے پناہ لینے کی کوشش کی۔"امی، ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا!" عائشہ نے کہا۔

مگر اس لمحے ایک اور زوردار دھماکہ ہوا اور گرد و غبار میں سب کچھ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ دشمن نے پورے کیمپ کو تباہ کر دیا تھا۔ ریان واپس آیا تو ہر طرف ملبہ تھا۔"امی!" اس نے چیخ کر پکارا۔ مگر کوئی جواب نہیں آیا۔

ریان کی آنکھوں کے سامنے ہر چیز تباہ ہو چکی تھی۔ جو کیمپ کبھی زندگی سے بھرپور تھا، اب وہاں ملبے کے ڈھیر، جلی ہوئی لاشیں اور سسکتی آہیں تھیں۔

"امی!" اس نے چیخ کر پکارا۔ کسی نے جواب نہیں دیا۔

ریان پاگلوں کی طرح ملبہ ہٹانے لگا۔ ہر پتھر کے نیچے اسے امید تھی کہ اس کی ماں یا بہن زندہ ہوں گی۔ مگر وہاں صرف خون میں لت پت لاشیں تھیں۔ اچانک ایک نحیف آواز آئی،"ریان..."

ریان کا دل زور سے دھڑکا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ عائشہ تھی۔ ریان دوڑ کر عائشہ کے پاس پہنچا۔ وہ گرد میں لپٹی ہوئی تھی، اس کا چہرہ مٹی اور خون سے بھرا تھا۔

"عائشہ! میں یہاں ہوں، تم ٹھیک ہو جاؤ گی!" اس نے بہن کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

عائشہ نے کمزور سی مسکراہٹ دی،"ریان... میں نے امی کو دھماکے کے بعد دیکھا تھا، وہ مجھے ڈھونڈ رہی تھیں... مگر پھر..."

ریان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا، "سب ٹھیک ہو جائے گا، عائشہ! میں تمہیں کہیں محفوظ مقام پر لے جاؤں گا!"

عائشہ نے آنکھیں بند کر لیں، جیسے وہ بہت تھک چکی ہو۔

"ریان...امی کو ڈھونڈنا...مت چھوڑنا!"

اور پھر اس کی سانسیں رک گئیں۔ ریان کے اندر جیسے سب کچھ ٹوٹ چکا تھا۔

"تم نے میری بہن کو مار دیا...تم نے میری ماں کو مجھ سے چھین لیا!" اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر چیختے ہوئے کہا۔

کمانڈر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، "ریان، یہ وقت غم منانے کا نہیں، وقت دشمن کو جواب دینے کا ہے!"

ریان نے اپنی بہن کی بند ہوتی آنکھوں کو آخری بار چوما، پھر اپنی بندوق اٹھائی۔

"اب میں انہیں نہیں چھوڑوں گا!"

کچھ دن بعد، ریان کو ایک خفیہ کارروائی میں شامل کیا گیا۔ یہ ایک خودکش مشن نہیں تھا، بلکہ قابض فوج کے ایک بڑے اڈے پر بڑا حملہ تھا۔

"یہ جنگ فیصلہ کن ہوگی!" کمانڈر نے سب کو بریفنگ دی۔

ریان کے دل میں صرف ایک چیز تھی: بدلہ!

رات کے اندھیرے میں، ریان اور اس کے ساتھی دشمن کے اڈے کی طرف بڑھے۔

اس بار ریان کے ہاتھ میں صرف ایک بندوق نہیں تھی، بلکہ ایک عزم تھا جو ناقابلِ شکست تھا۔

"اب یا کبھی نہیں!" اس نے خود سے کہا۔

دشمن کے کیمپ میں پہنچتے ہی ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ ریان نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ ہر طرف چیخ و پکار تھی۔ وہ دشمن کے ہر سپاہی کو نشانہ بنا رہا تھا۔

مگر اسی لمحے ایک اور دھماکہ ہوا۔ زمین ہل گئی۔

ریان نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کمانڈر زمین پر گر چکے تھے۔

"ریان...آگے بڑھو...یہ تمہاری جنگ ہے!" کمانڈر نے آخری سانس لیتے ہوئے کہا۔

ریان نے دشمن کے آخری سپاہی پر گولی چلائی۔
لیکن اسی وقت، ایک گولی اس کے سینے میں آ کر لگی۔
اس نے گرنے سے پہلے آخری بار آسمان کی طرف دیکھا۔
"امی... میں نے وعدہ نبھا دیا..."
زمین پر گرتے ہی، اس کے چہرے پر سکون تھا۔
ریان شہید ہو گیا، مگر اس کی کہانی ختم نہیں ہوئی۔
اس کی شہادت نے غزہ میں ایک نئی آگ بھڑکا دی۔
ہر بچہ، ہر نوجوان، ہر بوڑھا اب ریان بننے کو تیار تھا۔
"ہم سب ریان ہیں!" غزہ کی دیواروں پر یہ نعرہ لکھ دیا گیا تھا۔
غزہ کے برباد ملبے پر ایک سناٹا تھا۔ کہیں سے کوئی مدد نہیں آ رہی تھی، کوئی ہاتھ بڑھانے والا نہیں تھا۔
ریان کی شہادت کے بعد، اس کے جنازے میں شریک ہونے کے لیے لوگ گھروں سے نکلے، مگر دشمن کے ڈرون فضا میں گردش کر رہے تھے۔
ہر آنکھ نم تھی، مگر دنیا کے ضمیر پر ایک خراش تک نہ آئی۔
"یہ سب دیکھ رہے ہیں، مگر کچھ نہیں کر رہے!" امِّ احمد نے روتے ہوئے کہا۔
"یہ" کون تھے؟
وہ اقوامِ متحدہ، جو ہر حملے پر "گہری تشویش" کا اظہار کر کے خاموش ہو جاتی۔
وہ انسانی حقوق کی تنظیمیں، جو صرف رپورٹیں لکھتیں مگر عملی اقدام نہ کرتیں۔
وہ مسلم حکمران، جو قابض قوتوں سے ہاتھ ملاتے اور تجارتی معاہدے کرتے۔
وہ عالمی طاقتیں، جو "دہشت گردی کے خلاف جنگ" کے نام پر ظالموں کی پشت پناہی کر رہی تھیں۔
دنیا کے بڑے نیوز چینلز پر بریکنگ نیوز چل رہی تھی:
"غزہ میں شدت پسندوں کے خلاف کارروائی، کئی ٹھکانے تباہ!"

"شدت پسند؟" زخمی حالت میں کیمپ میں پڑی ایک معصوم بچی حیران تھی۔

"یہ شدت پسند کون ہیں؟ وہ بچے جو بھوک سے مر رہے ہیں؟ وہ ماں جو اپنے بچے کو بچانے کی کوشش میں شہید ہو گئی؟ وہ باپ جو اپنے خاندان کے ملبے تلے دفن ہو گیا؟"

عالمی میڈیا نے حقائق چھپائے۔ صرف وہی دکھایا گیا، جو قابض قوتوں کو فائدہ دیتا تھا۔

اقوامِ متحدہ میں قرارداد پیش ہوئی۔

"ہم غزہ میں جاری تشدد پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں اور تمام فریقین سے تحمل کی اپیل کرتے ہیں!"

"تمام فریقین؟" غزہ کے تباہ حال شہری حیران تھے۔

"کیا ہم قاتل اور مقتول کو برابر سمجھیں؟ کیا ہم ظالم اور مظلوم کو ایک پلڑے میں تولیں؟"

مگر اجلاس میں بیٹھے سفارت کاروں کو اس کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ اپنے موبائل چیک کر رہے تھے، اپنے ملک کے مفادات پر بات کر رہے تھے۔

مسلم ممالک میں حکمران خاموش تھے۔

کوئی بڑی کانفرنس بلائی گئی، لیکن فیصلے کیا تھے؟

مذمتی بیانات

مذاکرات کی اپیل

امن کی درخواست

"کیا ہماری لاشوں پر مذمت کے سوا کچھ نہیں ملے گا؟" ریان کے ساتھی نے سوال کیا۔

کچھ نوجوان غصے میں سڑکوں پر نکلے، مگر ان کے اپنے ہی حکمرانوں نے انہیں روک دیا۔

کچھ دن بعد خبر آئی:

"قابض قوتوں کے ساتھ اربوں ڈالر کا معاہدہ طے پا گیا!"

یہ خبر کسی عرب ملک کے بارے میں تھی، جو مظلوم فلسطینیوں کی حمایت کا دعویٰ کرتا تھا۔

"یہ سب پیسے کے لیے؟" غزہ کے بچوں نے حیرت سے پوچھا۔

جب قابض فوج نے ایک ہسپتال پر بمباری کی تو چند مغربی ممالک کے رہنماؤں نے کہا:

"یہ جنگی جرم ہوسکتا ہے، ہمیں تحقیقات کرنی چاہئیں!"

مگر تحقیقات کبھی مکمل نہ ہوئیں۔

کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ مجرم کون ہے، مگر وہی مجرم ان کے اتحادی بھی تھے!

ریان کی شہادت کے بعد بھی غزہ زندہ تھا۔

ہر بچہ، جو یتیم ہوا، مزاحمت کی علامت بن گیا۔

ہر ماں، جس نے اپنے بیٹے کو دفن کیا، حوصلے میں اور بڑھ گئی۔

ہر نوجوان، جو ظلم دیکھ رہا تھا، اس کے دل میں انتقام کی چنگاری بھڑک اٹھی۔

اور دنیا؟

دنیا اب بھی خاموش تھی!

مگر غزہ کی ایک دیوار پر کسی نے خون سے لکھ دیا تھا:

"ہم مر جائیں گے، مگر تم خاموش رہنا!"